شورائی اجتہاد-تصور، تاریخ، ضرورت اور حجیت

ڈاکٹر حافظ حسین ازہر☆

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر☆☆

Shura is an Arabic word, means consultation. Technically, when a Council of Islamic Jurists or qualified scholars undertake utmost effort to discover a particular ruling then it is called Shurae Ijtihad. The Holy Quran and Prophet Muhammad PBUH encourage Muslims to decide their affairs in consultation. The Shura is different from a democratically elected Parliament. A governmental and non-governmental organization of qualified scholars is an appropriate platform for shurae Ijtihad. Such jurists' groups must be established in every Islamic country and society. In addition, there should be an international jurists' counseling organization, which represents the entire Muslim Ummah

اجتماعی اجتہاد بذریعہ شوری کا تصور ایک قدیم تصور ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنی حیات میں مختلف تدبیری اُمور میں اکثر و بیشتر مسلمانوں سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین نے آپ ﷺ کی سنت کو قائم رکھا اور شیخین کے دور میں تو بالخصوص فقہاء صحابہ کی ایک ایسی مجلس مدینہ میں موجود تھی' جن سے حضرت ابوبکر و عمر ؓ نئے مسائل میں مشاورت کرنے کے بعد کوئی فیصلہ جاری کرتے تھے۔

شوری کا لغوی مفہوم

شوری کے لفظ کا مادہ 'ش. و. ر' ہے۔ اکثر لغویین نے اس کو باب افعال میں 'أشار علیه' سے مشتق اسم قرار دیا ہے۔ بعض اہل لغت کا کہنا یہ بھی ہے کہ یہ لفظ باب تفاعل یعنی 'تشاور' سے مشتق ہے لیکن پہلی رائے زیادہ معروف ہے۔ علامہ محمد مرتضی الزبیدی ؒ متوفی ۱۲۰۵ھ اس لفظ کی لغوی تحقیق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل عرب 'شار العسل' کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس کا معنی ہے: اس نے شہد کو اس کے چھتوں اور اس کے پائے جانے کی جگہوں سے نکالا... باب افعال سے 'أشار علیه بکذا' کا معنی ہے اس نے اسے فلاں چیز کا حکم دیا اور اسی سے لفظ 'شوری' مشتق ہے جو کہ ضمہ کے ساتھ ہے... 'استشار' کا معنی کسی سے مشورہ طلب کرنا ہے۔(۱)

امام خلیل بن احمد الفراہیدی ؒ متوفی ۱۷۵ھ کا کہنا ہے کہ 'مشورۃ' کا لفظ بھی شوری کی طرح باب افعال ہی سے نکلا ہے۔(۲) علامہ ابونصر الجوہری ؒ متوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں کہ 'مشورۃ' بھی 'شوری' کے معنی میں ہے۔ اسی طرح لفظ 'مَشُوْرَۃ' شین کے ضمہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ عرب کہتے ہیں: شاورته

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف سوشل سائنسز، یونیورسٹی آف ویٹرنری اینڈ اینیمل سائنسز، لاہور۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، ڈیپارٹمنٹ آف ہیومینٹیز، کامسٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور۔

فی الأمر و استشرته یعنی باب مفاعلہ اور استفعال سے یہ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (۳) امام ابن فارس ؒ متوفی ۳۹۵ھ لکھتے ہیں کہ 'ش-و-ر' مادہ سے بننے والے الفاظ سے عموماً دو بنیادی معنی جاری ہوتے ہیں۔ پہلا معنی کسی چیز کو ظاہر کرنا' واضح کرنا اور اس کو پیش کرنا ہے جبکہ دوسرا معنی کسی چیز کو لینے کے ہیں۔ (۴) علامہ مجد الدین فیروز آبادی ؒ متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں کہ 'اشار علیہ بکذا' کا معنی ہے اس نے اس کو حکم دیا ہے اور اسی سے لفظ 'شوریٰ' بنا ہے۔ (۵)

شوریٰ کا اصطلاحی معنی و مفہوم

متقدمین نے شوریٰ کی اصطلاح کو زیادہ تر ایسے معانی کے ساتھ بیان کیا ہے جو اس کے لغوی معنی کے قریب ہے۔ (۶) جبکہ شیخ عبد الرحمن عبد الخالق ؒ شوریٰ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شوریٰ کی حقیقت کسی مسئلے میں حق بات کے قریب پہنچنے کے لیے اہل فن سے کسی رائے کے بارے تحقیق کروانا ہے۔ (۷) ڈاکٹر احمد علی الامام لکھتے ہیں کہ شاید شوریٰ کی جامع ترین تعریف جو اس کے مختلف فقہی معانی اور انواع و اقسام کو شامل ہو' وہ یہ ہے کہ شوریٰ سے مراد امام یا قاضی یا کسی مکلف کا کسی ایسے معاملے میں کہ جس کا حکم قرآن' سنت یا اجماع کے ثبوت سے متعلق کسی نص سے واضح نہ ہو' اس کا حکم معلوم کرنے کے لیے ان علمائے مجتہدین کی طرف رجوع کرنا جو اس حکم کو اس کے اجتہادی دلائل سے جاننے کی صلاحیت رکھتے ہوں' (۸) ڈاکٹر وہبہ الزحیلی ؒ نے بھی اسی تعریف کو راجح قرار دیا ہے۔ (۹) ڈاکٹر مصطفیٰ قطب سانو ؒ لکھتے ہیں کہ شوریٰ کی جامع ترین تعریف یہ ہے کہ کسی بھی مسئلے کے بہترین حل کے لیے مختلف آراء کا موازنہ کرنا۔ بعض اہل علم نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد کسی ایسے مسئلے میں اصحاب علم و فضل کی آراء کو جمع کرنا ہے' جس میں کتاب و سنت کی کوئی صریح نص وارد نہ ہوئی ہو۔ (۱۰)

لفظ 'شوریٰ' کا عرفی استعمال

شوریٰ کا لفظ اگرچہ اسلامی فقہی ذخیرے میں وسیع معانی میں استعمال ہوا ہے لیکن تقریباً ہر دور میں اس لفظ کا اکثر و بیشتر استعمال سیاسی اور ملکی نظام و نسق سے متعلق کسی سرکاری اجتماعی ادارے پر ہوتا رہا ہے۔ (۱۱) ڈاکٹر توفیق الشاوی ؒ لکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر مصنفین اور محققین 'شوریٰ' کے بارے حکومتی یا ریاستی نظام کے ذیل میں بحث کرتے ہیں۔ جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ شوریٰ کا اصل موضوع حکومتی مسائل میں مشاورت ہے یعنی 'شوریٰ' کا لفظ ان اجتماعی قراردادوں میں محصور ہے جو ریاست یا حکومت کے نظام سے متعلق ہوں [حالانکہ ایسا نہیں ہے]۔ (۱۲) شوریٰ کا تعلق صرف سیاسی نظام سے نہیں ہے بلکہ زندگی کے مختلف گوشوں میں شوریٰ کا وجود مطلوب ہے لیکن امر واقعہ یہی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا محققین نے بیان کیا ہے کہ

اکثر و بیشتر قدیم و جدید علماء و فقہاء نے شوریٰ کا تعلق سیاسی نظام سے جوڑا ہے۔اس کی وجہ بظاہر یہی سمجھ میں آتی ہے کہ خلافت اسلامیہ میں خلیفہ وقت کی طرف سے مختلف ملکی امور میں باہمی مشاورت کی خاطر وزراء و مشیران کی جو اجتماعی مجلس تشکیل دی جاتی تھی یہی اس زمانے میں مجلس شوریٰ کی نمایاں ترین صورت ہوتی تھی۔

دورِ نبوی اور دورِ خلافت میں شوریٰ کا مفہوم

دورِ نبوی میں شوریٰ سے مراد صحابہ ؓ کی وہ جماعت تھی کہ جن سے آپ ؐ امورِ حرب، سیاسی نظم، جنگی تدابیر اور حکمت عملی میں وقتاً فوقتاً مشورہ لیتے رہتے تھے۔بعض اوقات یہ مشورہ دینی امور میں ہوتا تھا جیسا کہ آپ ؐ نے نماز کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کے طریقے کے بارے میں صحابہ ؓ سے مشورہ کیا تھا۔اسی طرح دورِ خلافت میں شوریٰ سے مراد مدینہ میں مقیم وہ فقہائے صحابہ تھے کہ جن سے حضرت اُبوبکرؓ، حضرت عمر اور حضرت عثمان ؓ ملکی، سیاسی، جنگی، انتظامی، معاشرتی، اجتماعی اور دینی امور میں مشاورت فرماتے تھے۔خلفائے راشدین کے دور میں فقہ اسلامی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں دنیوی امور کی طرح دینی معاملات میں فقہائے صحابہ ؓ کی اجتماعی مشاورت دورِ نبوی کی نسبت بہت زیادہ تھی کیونکہ آپ ﷺ کی وفات کی باعث آسمانی رہنمائی کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔فقہائے صحابہ ؓ کی اس شوریٰ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اجتماعی اجتہاد کو بعض اوقات خلیفہ وقت بطور قانون نافذ بھی کر دیتے تھے۔

اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ اگر خلیفہ وقت کی طرف سے کسی اجتماعی رائے کو بطور قانون نافذ کر دیا جاتا تو اس سے اختلاف کرنے والے صحابہ ؓ کو اپنی رائے سے رجوع کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا تھا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں حضرت اُبوذر غفاری ؓ نے سورۃ التوبہ کی ایک آیت کی تفسیر کے ذیل میں جب عام مجمعوں میں اس رائے کا اظہار کرنا شروع کیا کہ سونے و چاندی کو مطلقاً اپنے پاس رکھنا حرام اور ناجائز ہے اور یہ قرآن کی اصطلاح میں 'کنز' ہے تو اس پر حضرت عثمان ؓ نے ان کو مدینہ چھوڑنے کا حکم جاری فرمایا لیکن انہیں اپنی رائے چھوڑنے پر مجبور نہ کیا۔(۱۳)

قرآن میں شوریٰ کا حکم

قرآن مجید میں دو آیات میں شوریٰ کا حکم دیا گیا ہے۔ایک آیت مکی سورت کی ہے اور دوسری مدنی سورت میں ہے۔اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے اس صفت کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے کہ ﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾(۱۴) یعنی وہ اپنے باہمی معاملات کو مشورے سے طے کرتے ہیں۔اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ﴿ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾(۱۵) یعنی آپ ﷺ صحابہ کرام سے کاموں میں مشورہ کریں۔یہ آیت مبارکہ مدنی ہے اور غزوہ اُحد کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ غزوہ

اُحد سے پہلے بھی اپنے صحابہ ؓ سے مختلف امور میں مشورہ طلب کرتے تھے اور غزوہ اُحد کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے یہ مشورہ طلب کیا اور صحابہ ؓ کی اکثریت ہی کے مشورے کا احترام کرتے ہوئے مدینہ سے باہر نکل کر کفار مکہ سے جنگ لڑنے کا ارادہ کیا اگرچہ آپ ﷺ کی ذاتی رائے یہی تھی کہ مدینہ میں رہتے ہوئے جنگ لڑی جائے۔اس جنگ میں بظاہر مسلمانوں کو شکست ہوئی۔اس لیے اس بات کا امکان موجود تھا کہ آپ ﷺ آئندہ کے لیے صحابہ ؓ سے مشورہ لینا بند کر دیتے۔اس احتمال کے پیش نظر آپ کو صحابہ ؓ سے مشورہ کے عمل کو جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی۔امام ابن جریر طبری ؒ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں سلف کے تین اقوال نقل فرمائے ہیں۔

پہلے قول کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالی نے رسول ﷺ کو جنگی تدابیر اور دشمن سے ملاقات کے وقت اپنے صحابہ ؓ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔اللہ کے رسول ﷺ اس مشورے سے اگرچہ غنی اور بے نیاز تھے' کیونکہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی براہ راست اللہ تعالی کی رہنمائی حاصل تھی لیکن اہل ایمان کی تالیف قلب کے لیے آپ کو یہ حکم دیا گیا۔یہ حضرت قتادۃ ؒ کا قول ہے۔[۱۶] اسی سے ملتی جلتی آراء کا اظہار حضرت ربیع ؒ اور ابن اسحاق ؒ سے بھی مروی ہے۔[۱۷] سلف کے دوسرے قول کے مطابق آپ کو صحابہ ؓ سے مشورہ کرنے کا حکم جاری کرنے میں اصل حکمت یہ تھی کہ کسی مسئلے میں تدبیر کرتے ہوئے صحیح رائے کا حصول ممکن ہو اور اسی وجہ سے مشورہ کو افضل بھی قرار دیا گیا ہے۔یہ حضرت ضحاک بن مزاحم ؒ کا قول ہے۔[۱۸] اس رائے کا اظہار حضرت حسن بصری ؒ نے بھی کیا ہے۔[۱۹] متقدمین مفسرین کے تیسرے قول کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے صحابہ ؓ سے مشورہ کا حکم اس لیے دیا ہے کہ بعد میں آنے والی امت کے لیے ان مسائل میں مشورہ کرنے' کہ جن کے بارے میں قرآن وسنت میں کوئی صریح حکم نہیں ہے' کے بارے میں ایک سنت جاری ہو جائے۔یہ حضرت سفیان بن عیینہ ؒ کا قول ہے۔[۲۰] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے قول کے مطابق آپ کو اس آیت میں حضرت ابوبکر وعمر ؓ سے مشورہ کرنے کا حکم جاری فرمایا گیا۔[۲۱] مفسرین کی ایک بڑی جماعت کا خیال یہی ہے کہ اس آیت میں اَمر کا صیغہ وجوب کے لیے ہے یعنی آپ ﷺ کے لیے اپنے صحابہ ؓ سے مشورہ کرنا واجب تھا۔

سنت نبویہ میں شوریٰ

کثرت سے ہمیں ایسی روایات ملتی ہیں جن کے مطابق آپ ﷺ اکثر و بیشتر معاملات میں اپنے صحابہ ؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔حضرت ابن شہاب زہری ؒ حضرت ابوہریرۃ ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ کسی کو بھی صحابہ کرام ؓ سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔[۲۲] حضرت ابوبکر صدیق ؓ آپ کے لیے مشاورت میں وزیر کا مقام رکھتے تھے۔[۲۳] اس

طرح کی اور بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ کا عمل انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطحوں پر آپ ﷺ کی زندگی میں غالب ونمایاں تھا۔

خلفائے راشدین کے دور میں شوریٰ

اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں اکثر و بیشتر شورائی مجالس کا موضوع امور سلطنت وحرب ہوتا تھا جبکہ خلفائے راشدین کے دور میں تشکیل پانے والی شوریٰ کے اکثر اجتہادات کی نوعیت فقہی تھی جیسا کہ میسب بن رافع سے منقول ہے: صحابہ کرام ⊠ کو جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش آتا تھا کہ جس میں اللہ کے رسول ﷺ سے کوئی اثر موجود نہ ہوتا تھا تو وہ اس کے لیے اکھٹے ہو کر مشورہ کرتے اور ایک رائے پر اتفاق کر لیتے تھے۔ (۲۴) حضرت میمون بن مہران ؒ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر ◆ کا یہ معمول تھا جب بھی انہیں کوئی مسئلہ صریح طور پر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں نہ ملتا تو وہ کبار صحابہ ⊠ سے اس بارے میں مشورہ کرتے تھے۔ (۲۵)
حضرت عمر ◆ کے بارے میں بھی بعض روایات سے اسی طرز عمل کی نشاندہی ہوتی ہ۔ (۲۶)

شوریٰ کی اَقسام

ڈاکٹر توفیق الشاوی ؒ نے شوریٰ کی سات اقسام بیان فرمائی ہیں۔ جن میں چار ایسی ہیں کہ جن کے شورائی فیصلوں پر عمل درآمد لزوم کے درجے میں شامل نہیں ہے۔ ڈاکٹر توفیق الشاوی ؒ ان اقسام کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۱۔ کسی شخص کا اپنے علاوہ کسی دوسرے سے مشورہ طلب کرنا تا کہ وہ اس مشورے کے ذریعے اپنے ذاتی معاملات میں رہنمائی لے سکے۔ یہ مشورہ 'اختیاری مشورہ' کہلائے گا۔ ۲۔ کسی ادارے یا شخص 'جو اختیار یا اقتدار کا مالک ہو' کا ماہرین اور متخصصین سے رائے لینا تا کہ وہ کسی مخصوص معاملے میں دستور یا شریعت کے موافق تصرف کے لیے رائے کے ذریعے اپنی قرارداد پاس کرنے میں مدد حاصل کر سکے۔ یہ مشورہ بھی اپنے نتیجے کے اعتبار سے اختیاری مشورہ ہی ہے۔ ۳۔ قاضی کا علماء یا مجتہدین سے کسی شرعی حکم کے بارے میں رائے طلب کرنا تا کہ وہ اپنی خاص حدود اور اختیارات کے دائرے میں کوئی حکم جاری کرنے سے پہلے اس مشورے سے رہنمائی حاصل کر سکے۔ یہ مشورہ بھی ایک علمی مشورہ یا فقہی فتویٰ ہے۔ ۴۔ کسی مسئلے کے شرعی حکم کے بارے کسی فرد یا ادارے کا فتویٰ جاری کرنا 'چاہے اس سے فتویٰ کے بارے میں مشورہ طلب کیا گیا ہو یا نہ ہو۔ یہ بھی فقہی فتویٰ یا مجرد ایک مشورہ ہے۔" (۲۷)

ڈاکٹر توفیق الشاوی ؒ نے شوریٰ کی تین قسمیں ایسی گنوائی ہیں کہ جن کے فیصلے لازماً لاگو و نافذ ہوتے

ہیں۔وہ ان اقسام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ا۔امت یا ایک جماعت یا امت کے نمائندہ اہل حل وعقد کی تنظیم کی کسی سیاسی یا معاشرتی مسئلے سے متعلق اجتماعی قرارداد کے بارے میں باہمی مشورہ کرنا مثلاً صدر یا کسی صاحب اَمر کی تعیین یا ان کے علاوہ اجتماعی معاملات میں سے کسی اہم معاملے کے بارے باہمی مشورہ کرنا اور پھر سب کے یا جمہور کے اتفاق سے کسی قرارداد کا پاس ہو جانا۔ان حالات میں یہ قرارداد ایسی ہو گئی جو اجتماعی شوری کی لازم ہونے والی قراردادوں میں شامل ہو گی۔۲۔امت کے ان نمائندہ اہل حل وعقد کی مشاورت کہ جن کو امت نے اپنے دستوری نظام یا بنیادی قوانین کو وضع کرنے یا ولی الامر اور صاحب اقتدار کی بیعت کی شرائط کی تحدید کے لیے مقرر کیا ہو۔جب تمام یا اکثر اہل حل وعقد کا کسی قرارداد پر اتفاق ہو جائے گا تو یہ ایک ایسی فقہی اور دستوری شوری ہو گی کہ جس کا نفاذ لازم ہے کیونکہ یہ شوری بنیادی قوانین یا دستور وضع کرے گی...۳۔مجتہدین اور اہل علم کی کسی ایسے فقہی حکم کو مستنبط کرنے میں کہ جس کے بارے میں قرآن یا سنت میں کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو' قرارداد منظور کرنا۔اگر تو یہ قرارداد مجتہدین کے اتفاق سے طے پاتی ہے اور امت بھی اس پر متفق ہو جاتی ہے تو یہ ایک لازم فقہی حکم ہو گا کیونکہ یہی اجماع ہے۔''(۲۸)

اجتماعی اجتہاد بذریعہ شوری کے تین معروف اَسالیب

اجتماعی اجتہاد بذریعہ شوری کو ہم تین انواع میں تقسیم کر سکتے ہیں' جو کہ درج ذیل ہیں:

۱) پہلی قسم کی شوری تو وہ ہے جو کسی اسلامی ریاست میں پارلیمنٹ کی قائمقام ہو۔یعنی ایک ایسا سرکاری ادارہ جو کسی اسلامی ریاست میں اجتماعی اجتہاد اور قانون سازی دونوں کاموں کے لیے قائم کیا گیا ہو۔وہ ادارہ اجتہاد بھی کرے گا اور اس کے پاس تقنین کا اختیار بھی ہو گا۔اس ادارہ کو ہم مقتدر شوری یا مقننہ کا نام دے سکتے ہیں جیسا کہ سعودی عرب کی مجلس شوری ہے۔اگر اس شوری کا کام صرف خلیفہ یا امام کا انتخاب ہو تو سلف کی اصطلاح میں اسے 'مجلس اَہل حل وعقد' بھی کہتے ہیں۔

۲) شوری کی دوسری صورت علماء' فقہاء اور ماہرین فن پر مشتمل ایک سرکاری ادارہ ہے کہ جس کا کام مختلف مسائل میں حکمران یا حکومت وقت کو دینی و شرعی رہنمائی فراہم کرنا ہوتا ہے تا کہ حکمران اس کی بنیاد پر کوئی قانون سازی کر سکیں۔اس کی مثال پاکستان میں 'اسلامی نظریاتی کونسل' ہے کہ جس کا کام صوبائی اور وفاقی حکومتوں کو ایسی سفارشات پیش کرنا ہے کہ جن کی روشنی میں پاکستان کے عوام شرعی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔بعض اوقات اس قسم کے اداروں کی حیثیت کسی ملک میں سرکاری دار الافتاء کی بھی ہوتی ہے اور اس مجلس کے فتاوی کو سرکاری تائید حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اس کی مثال سعودی عرب

کی مجلس 'ھیئة کبار العلماء' ہے۔اسے ہم سرکاری شوریٰ کا نام دے رہے ہیں۔

- تیسری قسم کی شوریٰ سے مراد وہ غیر سرکاری ادارہ ہے جو کسی ایک ملک یا براعظم یا عالم اسلام کی سطح پر اجتماعی اجتہاد کا فریضہ سرانجام دے رہا ہو۔ملکی سطح پر اجتماعی اجتہاد کے ایسے شورائی ادارے کی مثال اسلامی فقہ اکیڈمی' انڈیا ہے۔براعظم کی سطح پر اس کی مثال 'یورپین کونسل برائے افتاء وتحقیق' ہے جبکہ عالم اسلام کی نمائندگی کرنے والے ایسے ادارے کی مثال 'المجمع الفقھی الإسلامی' مکة المکرمة' ہے۔اسے ہم غیر سرکاری شوریٰ کا نام دے رہے ہیں۔

مقتدر شوریٰ اور پارلیمنٹ کا فرق

یہاں ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ شوریٰ اور پارلیمنٹ کے درمیان فرق کو واضح کردیں۔بعض حضرات شوریٰ کو پارلیمنٹ کے مترادف قرار دیتے ہیں حالانکہ پارلیمنٹ ایک مغربی اصطلاح ہے جو اپنے پیچھے مغرب کے جمہوری نظام کا ایک وسیع تصور رکھتی ہے۔پارلیمنٹ اور شوریٰ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پارلیمنٹ میں قانون سازی کا اختیار عوام کے پاس ہوتا ہے اور عوام کے نمائندے ان کی طرف سے غالب اکثریت کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ملک کے لیے قانون وضع کرتے ہیں جبکہ شوریٰ میں کوئی بھی قانون بناتے وقت اصل اختیار اللہ کی ذات کے پاس ہوتا ہے اور شوریٰ اللہ کے ایک نمائندے کی حیثیت سے اس کے بھیجے ہوئے قانون کو اس کے بندوں پر جاری وساری کرتی ہے۔

پارلیمنٹ اور شوریٰ میں ایک اور جوہری فرق یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے اراکین کا چناؤ بذریعہ انتخاب ہوتا ہے اور اس کے انتخاب میں مذہب اور دین جیسی بنیادی خصوصیات کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔جبکہ شوریٰ کی رکنیت میں اصل اہمیت علم وتقویٰ اور عدالت وثقاہت جیسی بنیادی صلاحیتوں کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ شوریٰ کے فرائض وذمہ داریوں کے اعتبار سے یہی طریقہ مناسب ہے۔پارلیمنٹ اور شوریٰ میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ دونوں کے اراکین کے طریقہ انتخاب کی طرح صفات میں بھی کافی فرق ہوتا ہے۔شوریٰ کے اراکین میں عدالت وثقاہت کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور ان صفات کے حامل اراکین کے چناؤ کے لیے بہترین طریقہ کار تعیین کا ہی ہے نہ کہ مروجہ انتخاب کا' جبکہ پارلیمنٹ کا رکن بننے کے لیے کوئی دینی معیار مقرر نہیں ہے۔اگرچہ بعض ممالک نے اس کو مقرر کرنے کی کوشش بھی کی ہے جیسا کہ پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین میں پارلیمنٹ کے ایک ممبر کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ دین اسلام کی بنیادی تعلیمات سے واقف ہو لیکن اس پر عمل درآمد بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔

شوریٰ کے اراکین کی بنیادی صفات

اسلام میں شوریٰ کئی طرح کی ہے اور ہر قسم کی شوریٰ کے اراکین کی صفات دوسری قسم سے جدا ہوں گی۔

ایک شرعی اَحکام کے استنباط میں شوریٰ اور دوسری امام یا حکمران کے انتخاب میں شوریٰ۔[۲۹] پہلی ہمارا مقصود اس وقت چونکہ پہلی قسم کی شوریٰ ہے لہذا اس شوریٰ کے اراکین کی بنیادی صفات علم وعدالت ہے۔[۳۰] ڈاکٹر رمضان البوطی ؒ نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ علم سے مراد صرف فقہی علم نہیں ہے' بلکہ اس سے مراد دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے علوم ہیں۔[۳۱]

شوریٰ کا دائرہ کار

شوریٰ کی مشاورت کا دائرہ کار صرف دنیاوی وانتظامی امور ہیں یا مجلس شوریٰ دینی امور کو بھی موضوع بحث بنا سکتی ہے' اس مسئلے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی ؒ ان اقوال کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''علماء کی ایک جماعت مثلاً امام طبری ؒ اور ابن العربی ؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ شوریٰ صرف دنیوی امور مثلاً جنگی معاملات میں ہی منعقد ہوگی۔ جبکہ علماء کے دوسرے گروہ مثلاً علامہ آلوسی ؒ اور جصاص ؒ وغیرہ کا کہنا ہے کہ شوریٰ دنیوی کے ساتھ ان دینی امور میں بھی ہو گی کہ جن میں کوئی وحی نہ نازل ہوئی ہو۔ کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں سے جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا تھا اور یہ ایک دینی معاملہ تھا۔ ہمارے نزدیک دوسری رائے راجح ہے کیونکہ آیت مبارکہ 'و شاورھم فی الأمر' میں بھی مطلق مشاورت کا حکم ہے جو حکام کو دینی' دنیوی' سیاسی' اجتماعی' اقتصادی' ثقافتی اور انتظامی وغیرہ جیسے ان تمام مسائل میں مشورے کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ جن میں کوئی واضح الدلالہ شرعی نص وارد نہ ہوئی ہو۔''[۳۲]

آپ ﷺ کی شوریٰ دینی اور دنیوی دونوں قسم کے امور میں منعقد ہوتی تھی جیسا کہ آپ ﷺ نے اذان کے طریقہ کے بارے میں صحابہ ؓ سے مشورہ کیا اور یہ ایک شرعی مسئلہ تھا۔ دینی امور میں ان مسائل میں شوریٰ نہیں ہوسکتی کہ جن میں کوئی واضح قرآن کی آیت یا حدیث یا مستند اجماع موجود ہو۔[۳۳] شیخ عبدالرحمن عبدالخالق ؒ اس بحث کو مزید اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مختلف قسم کی شوریٰ کا دائرہ کار بھی مختلف ہوگا۔ پس اس اُمر کا فیصلہ کہ ایک شوریٰ کا دائرہ کار کیا ہوگا' اس شوریٰ کے درجے' اراکین کی صفات اور زیر بحث معاملے کے اعتبار سے ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''۱۔ اگر تو عمومی امور کا معاملہ ہے جو عام لوگوں سے متعلق ہے جیسا کہ کسی خلیفہ یا حاکم کی تقرری یا اعلان جنگ وغیرہ تو اس مسئلے میں اہل شوریٰ عامۃ الناس ہوں گے کیونکہ ان مسائل میں عامۃ الناس کی رائے اور ان کی موافقت ایک لازمی ولابدی اُمر ہے۔ ۲۔ اور جہاں تک خاص اُمور کا تعلق ہے تو ان میں ان امور کے ماہرین' اہل علم اور سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں

سے مشورہ کیا جائے گا۔مثال کے طور پر عسکری امور میں ان امور کے ماہرین اور صنعتی امور میں
اس میدان کے ماہرین سے مشورہ کیا جائے گا۔"(۳۴)

مولانا مودودی ؒ ایک اسلامی ریاست میں شوریٰ کے دائرہ کار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلام میں دائرہ عبادات کے اندر قانون سازی کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔البتہ عبادات کے علاوہ معاملات کے اس دائرے میں قانون سازی کی گنجائش موجود ہے جس میں کتاب وسنت خاموش ہے۔(۳۵) معاملات میں قانون سازی اور مشاورت کے دائرہ کار کو مزید بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی ؒ لکھتے ہیں کہ معاملات میں قانون سازی کے چار شعبے ہیں:۔الف۔تعبیر،ب۔قیاس،ج۔استنباط واجتہاد،د۔جن معاملات میں شارع نے کوئی ہدایت نہیں دی ہے ان میں اسلام کے وسیع مقاصد اور مصالح کو ملحوظ رکھ کر ایسے قوانین بنانا جو ضرورت کو پورا کر سکیں اور ساتھ ساتھ اسلام کے مجموعی نظام کی روح اور اس کے مزاج کے خلاف بھی نہ ہوں۔اس چیز کو فقہاء نے "مصالح مرسلہ" اور "استحسان" وغیرہ ناموں سے موسوم کیا ہے۔(۳۶)

شوریٰ کے انتخاب کا طریقہ کار

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی ؒ کا کہنا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں شوریٰ کے اراکین کی صفات تو متعین کر دی گئی ہیں لیکن ان کے انتخاب کا کوئی خاص طریقہ لازم نہیں کیا گیا ہے بلکہ حالات وزمانے کی رعایت رکھتے ہوئے کسی بھی طریقے سے ان کا انتخاب ہو سکتا ہے۔(۳۷) ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی ؒ کی بھی یہی رائے ہے۔(۳۸) مولانا مودودی ؒ نے بھی اس مسئلے میں یہی کچھ کہا ہے۔(۳۹)

اس وقت شوریٰ کے انتخاب کے دو معروف طریقے رائج ہیں۔ان میں سے ایک طریقے کو تعیین کا طریقہ کہتے ہیں جبکہ دوسرے کو انتخاب کا طریقہ۔پہلے طریقے میں میں حاکم وقت یا خلیفہ یا امیر المومنین کی طرف سے مخصوص علمی ودینی صفات کے حامل افراد کو شوریٰ کی رکنیت کے لیے براہ راست منتخب کر لیا جاتا ہے جیسا کہ سعودی عرب میں اور بعض دوسرے اسلامی ممالک میں اس طریقے کا تجربہ کیا گیا ہے۔سعودی عرب میں مجلس شوریٰ کی ابتداء شاہ عبد العزیز کے دور میں ۱۹۲۶ء میں ہی ہو گئی تھی۔جبکہ شاہ فہد بن عبد العزیز نے ۱۹۹۱ء میں اس مجلس کو نئی بنیادوں پر استوار کیا اور مختلف میدانوں سے تعلق رکھنے والے ۶۰ کے قریب اہل حل وعقد کو شوریٰ کی رکنیت عطا کی۔بعد میں اس مجلس کی تعداد ۹۰ اور بالآخر ۱۲۰ تک پہنچ گئی ہے۔اس شوریٰ کے ایک صدر اور نائب صدر بھی ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعیین کے طریقے میں باصلاحیت افراد وشوریٰ میں لانے کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں لیکن اگر حکمران صالح نہ ہو تو عموماً یہ طریقہ کار بھی حکمرانوں کی سیاسی حکمت عملی کی نذر ہو جاتا ہے جیسا کہ صدر ضیاء الحق صاحب نے جب مارشل لاء نافذ کیا اور عوامی ریفرنڈم کروا کر ریاست

پاکستان کے صدر بن گئے تو انہوں نے اپنے خلاف مطلق العنان حکمران کا طعنہ ختم کرنے کے لیے ایک فرضی مجلس شوریٰ بنائی اور اس میں ایک دو کو چھوڑ کر بقیہ تقریباً تمام اراکین ایسے تھے جو اس قابل نہ تھے کہ کسی اسلامی ریاست کی مجلس شوریٰ کے رکن مقرر کیے جاتے۔

شوریٰ کی ترکیب کا دوسرا طریقہ انتخاب کا طریقہ ہے۔ یہ طریقہ جدید مغربی سیاسی نظام 'جمہوریت' سے مستعار ہے۔ دنیا کے اکثر و بیشتر مسلمان ممالک میں اس وقت اسی طریقہ کار پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ شوریٰ کے اراکین کی تعیین کے لیے یہ طریقہ کار بھی قابل قبول ہے اگر اس میں کچھ مثبت تبدیلیاں کر لی جائیں۔ مروجہ انتخاب کے طریقہ کار میں پارٹی سسٹم' وڈیرہ شاہی' کرپشن' جبر و تشدد اور روپے پیسے کے ضیاع جیسی خرابیوں نے بہت نقائص پیدا کر دیے ہیں۔ شوریٰ کے انتخاب کے اس طریقہ کار میں انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ ایک بڑی تبدیلی تو یہ ہونی چاہیے کہ پارٹی سسٹم ختم کر دیا جائے۔ ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت میں منتخب ہو کر شوریٰ میں آئے۔ دوسری اہم شرط' جس کو لاگو کرنا چاہیے' وہ یہ ہے کہ شوریٰ کے انتخاب میں وہی شخص اس کا انتخاب لڑنے کا اہل قرار پائے جو رکن شوریٰ کی بنیادی خصوصیات مثلاً علم و عدل وغیرہ سے متصف ہو جیسا کہ پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین میں پہلے ہی سے شوریٰ کا رکن بننے کے لیے یہ شرائط متعین ہیں۔ (۴۰) البتہ آئین میں ایک اہم صفت یعنی صفت علم بیان نہیں ہوئی ہے کیونکہ جب مقتدر مجلس شوریٰ کا وظیفہ نہ صرف امام وقت کا انتخاب ٹھہرا بلکہ اس کا کام ریاست کے لیے قانون سازی بذریعہ اجتماعی اجتہاد بھی ہے تو پھر اس کے اراکین میں رسوخ فی العلم کی صفت لازماً ہونی چاہیے۔ تیسری بات یہ ہے کہ شوریٰ کے انتخاب میں ہر قسم کی اشتہار بازی اور سیاسی مہم چلانے پر پابندی لگا دی جائے۔ کسی خاص حلقے میں شوریٰ کا رکن بننے کے لیے اپنے آپ کو بطور ایک ممبر پیش کرنے والے اصحاب علم و فضل کی ایک فہرست تیار کر لی جائے اور پھر حکومتی سطح پر میڈیا کے ذریعے ان کے ناموں اور علامتی نشانات کا اعلان کر دیا جائے اور مقررہ تاریخ پر انتخاب ہو جائیں۔

جناب ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے بقول شوریٰ کے انتخاب کے لیے دونوں طریقوں کو استعمال کرنا چاہیے۔ اور دو مختلف طریقوں سے دو شوریٰ بنائی جائیں۔ انتخاب کے ذریعے منتخب ہونے والی شوریٰ کو وہ 'شورائے عام' اور تعیین کے طریقے سے متعین ہونے والی شوریٰ کو 'شورائے خاص' کا نام دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک شوریٰ عام اور شوریٰ خاص کا دائرہ اجتہاد بھی مختلف ہوگا۔ (۴۱) ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کے بقول یہ دونوں ایوان' اجتہاد کے ذریعے ریاست کے آئین و قانون کی تشکیل و توضیح کا فریضہ سرانجام دیں گے اور اس مقصد کے حصول کی خاطر ان افراد سے بھی رہنمائی لے سکتے ہیں جو شوریٰ کے ممبر نہ ہوں۔ (۴۲)

شوریٰ کی رائے کا التزام

اس بحث کے ذیل میں ہم دو اہم مسائل کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ پہلا مسئلہ جو علماء کے مابین

اختلافی ہے' وہ یہ ہے کہ کسی مسئلے میں شوریٰ سے رائے لینا حکمران پر لازم ہے یا نہیں یا دوسرے الفاظ میں کیا حاکم وقت یا خلیفہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ شوریٰ کے ہوتے ہوئے بھی ان سے رائے لیے بغیر کسی اہم ملکی مسئلے میں کوئی ذاتی فیصلہ جاری فرمادے۔اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں۔ پہلا مذہب تو یہ ہے کہ کسی بھی قرارداد کے پاس ہونے سے پہلے شوریٰ سے مشاورت حکمران پر واجب ہے جبکہ دوسرا مذہب یہ ہے کہ حاکم کے لیے شوریٰ سے مشاورت مستحب ہے نہ کہ واجب۔ (۴۳) جمہور علماء کا موقف پہلا ہے۔اس موقف کو امام ابن عطیہ' ابن خویز منداد' امام ابن العربی' امام جصاص حنفی' امام نووی' امام ابن تیمیہ' شیخ محمد طاہر بن عاشور' استاذ حسن البناء' استاذ مودودی' شیخ محمود شلتوت' شیخ محمد ابوزہرہ' شیخ عبدالوہاب خلاف' استاذ عبدالقادر عودۃ ؒ اور عبدالکریم زیدان ﷾ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ (۴۴) دوسری رائے قتادہ' ربیع اور ابن اسحاق ؒ کی ہے۔اس رائے کی نسبت امام شافعی ؒ کی طرف بھی کی گئی ہے۔ (۴۵) ڈاکٹر محمد عبدالقادر ابوفارس ﷾ نے یہ وضاحت تفصیل سے بیان فرمائی ہے کہ امام شافعی ؒ نے جو مشاورت کو مستحب قرار دیا ہے تو ان کا یہ قول قضاۃ کے بارے میں تو مروی ہے لیکن حکمران کے بارے میں نہیں ہے۔ (۴۶)

دوسرا نکتہ' جس میں علماء کے مابین اختلاف ہے' وہ یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے میں حاکم وقت مجلس شوریٰ سے مشاورت کرے اور دونوں کی رائے میں اختلاف ہو جائے تو اس صورت میں کس کی رائے پر عمل ہوگا۔ جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ اختلاف کی صورت میں حکمران شوریٰ کی رائے کا پابند ہوگا جبکہ علماء کے ایک دوسرے گروہ کا کہنا یہ ہے کہ آخری فیصلے کا اختیار حکمران کا حق ہے۔ (۴۷)

پہلی رائے کو اختیار کرنے والے علماء میں استاذ ابوالاعلیٰ مودودی' شیخ شلتوت' استاذ عبدالکریم زیدان کی آخری رائے' استاذ عبدالقادر عودۃ' استاذ محمد عبدہ' استاذ محمد عبدالرشید رضا' ڈاکٹر محمد سلیم العوا' استاذ سید قطب' استاذ شیخ احمد مصطفیٰ المراغی' ڈاکٹر احمد عبدالمنعم البہی' شیخ محمد الغزالی' استاذ محمد اسد' استاذ محمود المرداوی' استاذ طہ سرور' استاذ احمد شلبی' ڈاکٹر مصطفیٰ ابوزید ؒ' استاذ فتحی عثمان' ڈاکٹر زکریا عبدالمنعم الخطیب' شیخ عبد الرحمٰن عبدالخالق' ڈاکٹر محمد عبدالقادر ابوفارس' استاذ محمد محمود حجازی' ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس' استاذ اسماعیل بدوی' استاذ یحییٰ اسماعیل' ڈاکٹر محمد سعاد جلال' شیخ مصطفیٰ عاصی اور ڈاکٹر عبدالحمید الانصاری ؒ وغیرہ شامل ہیں۔ (۴۸) جبکہ دوسری رائے امام ابوبکر جصاص' امام ابن عطیہ' امام ابن تیمیہ' امام قرطبی' شیخ احمد حسن البناء' علامہ طاہر بن عاشور' استاذ احمد محمد شاکر ؒ، استاذ عبدالکریم زیدان' استاذ حسن ہویدی اور ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی ؒ کی ہے۔ (۴۹)

مولانا گوہر رحمان ﷾ کا کہنا یہ ہے کہ اگر کسی مسئلے میں حاکم وقت اور شوریٰ کے مابین اختلاف ہو جائے تو

اس مسئلے کو فقہاء پر مشتمل کسی عدالت میں پیش کیا جائے اور فقہاء جس کے حق میں رائے دے دیں' اس کے فیصلے کو نافذ کر دیا جائے۔(۵۰) ہمارے خیال میں اس فیصلے میں بنیادی اہمیت اس مسئلے کی ہے جو زیر بحث ہے۔اگر تو مسئلہ زیر بحث عمومی و اجتماعی نوعیت کا ہو مثلاً فلاں ملک سے جنگ کرنی ہے یا نہیں تو ظاہری بات ہے یہ ساری قوم کا مسئلہ ہے۔اس میں فرد واحد' چاہے وہ حکمران ہی کیوں نہ ہو' کی رائے پر جماعت یعنی شوری کی رائے کو ترجیح حاصل ہو گی۔اور اگر معاملہ انتظامی اُمور سے متعلق ہو مثلاً ٹریفک کے قوانین تو حکمران کی رائے کو شوری کی رائے پر فوقیت حاصل ہو گی جیسا کہ خلفائے راشدین کے دور سے اس کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں۔اور اگر کسی فقہی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اس بارے میں مولانا گوہر رحمان ؒ کی تجویز سے ہمیں اتفاق ہے۔

ہمارے خیال میں قرآن وسنت کی جتنی بھی نصوص حکمران' اُمیر یا خلیفہ وقت کی رائے کو شوری کی رائے پر ترجیح کے ضمن میں بیان کی جاتی ہیں' ان میں اَمر واقعہ یا فقہ الواقع تبدیل ہو چکا ہے۔یعنی جن خصوصیات کے حامل حکمرانوں اور اُمراء کے بارے وہ نصوص وارد ہوئی ہیں' وہ خصوصیات آج کسی حکمران یا اُمیر میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتیں۔آج ہمارے پاس اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام ؓ جیسی متقی' معتبر اور مستند شخصیات موجود نہیں ہیں۔آج اگر حضرت عمر ؓ جیسا حکمران یا اُمیر موجود ہو تو اس کی رائے کو شوری کی رائے پر ترجیح دینے میں تو کسی عالم کو اختلاف نہ ہو گا لیکن ایسی شخصیات یا اُمراء آج کہاں سے آئیں گے؟ اس مسئلے میں علماء کے اختلاف کا ایک پہلو تو شرعی نصوص ہیں اور دوسرا پہلو فقہ الواقع کی تبدیلی بھی ہے اور یہ قاعدہ کلیہ مسلم ہے کہ فقہ الواقع کی تبدیلی سے اُمر شرعی (کا اطلاق) بھی بدل جاتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ الزبیدی، محب الدین محمد مرتضی الحسینی، تاج العروس من جواهر القاموس: ۱۲/ ۲۵۲، ۲۵۷، دار الهدایة، بیروت۔

۲۔ خلیل بن احمد الفراهیدی، كتاب العین: ٦/ ۲۸۱، دار إحیاء التراث العربی، بیروت۔

۳۔ الجوهری، إسماعیل بن حماد الفارابی أبو نصر، تاج اللغة وصحاح العربیة: ۳/ ٢٦٨، دار العلم للملایین، بیروت، الطبعة الثانیة، ۱۹۷۹ء۔

٤۔ ابن فارس، أحمد بن فارس بن زكریا، معجم مقاییس اللغة: ۳/ ٢٢٦، دار الفكر، بیروت، ۱۳۹۹ء۔

٥۔ الزاوی، الطاهر أحمد، ترتیب القاموس المحیط: ۱/ ٥٤٠، دار عالم الكتب، الریاض۔

٦۔ مجموعة من علماء العرب، الشوری فی الإسلام: ۲/ ٤٨٧، المجمع الملكی لبحوث الحضارة الإسلامیة، عمان۔

۷۔ عبد الرحمن عبد الخالق یوسف الشیخ، الشوری فی ظل نظام الحکم الإسلامی: ص٤٧، دار القلم، کویت۔
۸۔ الشوری فی الاسلام: ۲/ ٤٨٨۔　　۹۔ أیضاً۔
۱۰۔ سانو، محمد قطب، معجم مصطلحات أصول الفقه: ص٢٥١، دار الفکر، دمشق، طبع أول۔
۱۱۔ نصر محمود الکرنز، الاجتهاد الجماعی وتطبیقاته المعاصرة: ص٤٢، جامعة اسلامیة، غزة، ۲۰۰۸ء۔
۱۲۔ الشاوی، توفیق الدکتور، فقه الشوری والاستشارة: ص١٠٢۔١٠٣، دار الوفاء للطباعة و النشر والتوزیع، المنصورة، الطبعة الأولی، ١٤١٢ھ۔
۱۳۔ البخاری، محمد بن اسمعیل بن إبراهیم الجعفی، الجامع الصحیح المختصر المسند من حدیث رسول الله ﷺ وسننه وأیامه، کتاب الزکوة، باب ما أدی زکاته فلیس بکنز (١٣٤١)، ٢/ ٥٠٩، دار ابن کثیر، الیمامة، بیروت، الطبعة الثالثة، ١٤٠٧ھ۔
۱٤۔ الشوری: ٤٢: ٣٨۔　　۱۵۔ آل عمران: ٣: ١٥٩۔
۱٦۔ الطبری، محمد بن جریر بن یزید أبو جعفر، تفسیر الطبری: ٧/ ٣٤٤، مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة الأولی، ١٤٢٠ھ۔
۱۷۔ أیضاً۔　　۱۸۔ تفسیر الطبری: ٧/ ٣٤٤۔
۱۹۔ أیضاً۔　　۲۰۔ أیضاً: ص٣٤٥۔
۲۱۔ الحاکم، محمد بن عبد الله النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة، باب أما حدیث ضمرة وأبو طلحة (٤٤٣٦)، ٣/ ٧٤، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی، ١٤١١ھ۔
۲۲۔ ابن أبی حاتم، عبد الرحمن بن محمد الرازی، تفسیر ابن أبی حاتم: ٣/ ٨٠١، المکتبة العصریة، بیروت۔
۲۳۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة، باب أبی بکر بن أبی قحافة (٤٤٠٨)، ٣/٦٦۔
۲٤۔ الدارمی، عبد الله بن عبد الرحمن السمرقندی، سنن الدارمی، کتاب المقدمة، باب التورع عن الجواب فیما لیس فیه کتاب ولا سنة (١١٥)، ١/ ٦١، دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعة الأولی، ١٤٠٧ھ۔
۲۵۔ سنن الدارمی، کتاب المقدمة، باب الفتیا وما فیه من الشدة (١٦١)، ١/ ٦٩۔
۲٦۔ البیهقی، أحمد بن الحسین بن علی أبو بکر، السنن الکبری للبیهقی، کتاب آداب القاضی،

باب ما يقضي به القاضي ويفتي به المفتي (٢٠١٢٨)، ١٠/ ١١٤، دارالباز،مكة المكرمة، ١٤١٤هـ۔

٢٧۔ فقه الشورى والاستشارة: ص١٠٢۔

٢٨۔ أيضاً۔

٢٩۔ الشورى في الإسلام: ٢/ ٥٤٢۔

٣٠۔ الشورى في الإسلام:٢/ ٥٢٢۔٥٢٣۔

٣١۔ أيضاً: ص٥٢٣۔

٣٢۔ أيضاً: ٢/ ٤٠٢۔

٣٣۔ الشورى في الإسلام: ٢/ ٤٩٨۔

٣٤۔ الشورى في ظل نظام الحكم الإسلامي: ص٩١۔٩٢۔

٣٥۔ اصلاحی، أمین أحسن مولانا؟ اسلامی ریاست : ص٤٥٤، مرکزی انجمن خدام القرآن' لاهور' بار اول' ١٩٧٧ء۔

٣٦۔ اسلامی ریاست : ص٤٥٤۔٤٥٥۔

٣٧۔ الشورى في الإسلام: ٢/ ٤٠١۔

٣٨۔ أيضاً: ص٥١٣۔

٣٩۔ اسلامی ریاست: ص٤٨١۔

٤٠۔ محمود سلیم محمود، اسلامی جمهوریه پاکستان کا دستور: ص٣٧، قومی اسمبلی پاکستان، اسلام آباد، ٢٠٠٤ء۔

٤١۔ طاهر القادری، ڈاکٹر، اجتهاد علماء کی نظر میں (سوالات اور جوابات)، سه ماهی منهاج، جنوری۔ مارچ ١٩٨٣ء، ص٣٠٢، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاهور۔

٤٢۔ أيضاً: ص٣٠٢۔٣٠٣ ۔

٤٣۔ الشورى في الإسلام: ٢/ ٧٢٨۔

٤٤۔ الشورى في الإسلام: ٢/ ٧٣٠۔٧٣٨۔

٤٥۔ أيضاً: ص٧٥٩۔

٤٦۔ أيضاً: ص٧٦٠۔٧٦١۔

٤٧۔ أيضاً: ص٧٧٠۔

٤٨۔ أيضاً: ص٨١٥۔٨١٧۔

٤٩۔ أيضاً: ص٧٢١۔٧٢٢۔

٥٠۔ گوهر رحمان، مولانا، اسلامی سیاست : ص٢٩٨۔٢٩٩، مکتبه معارف اسلامی، منصوره، ١٩٨١ء۔

■ ■ ■ ■ ■